شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ارتفاقات (تہذیبی ارتقائی منازل) کا تحقیقی جائزہ

* حسین محمد قریشی

نابغۂ عصر مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (ولادت 10 /فروری 1703ء وفات اگست 1762ء) اپنے عہد اٹھارویں صدی عیسوی کے مجدد کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ایک جیدِ عالم دین، ایک باکمال فقیہ ایک عامل صوفی، فلسفی اور دانش مند سیاسی مدبّر کے طور پر تاریخ کے اوراق میں نہ صرف ان کا نام ہی زندہ رہے گا بلکہ تحریکِ آزادیٔ اور آزادیٔ ہند کے متوالوں کا جب بھی تذکرہ ہوگا، ولی اللھی خانوادے کا تذکرہ بھی سرِ فہرست ہوگا، یوں تحریکِ آزادی اور خاندانِ ولی اللھی میں گویا تلازم کی نسبت پائی جاتی ہے کہ ایک کے تذکرہ کے بعد دوسرے کا تذکرہ نامکمل ہے۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آج ہم جس آزاد اور خود مختار ملک میں سانس لے رہے ہیں، یہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی 1564ء۔1624ء شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ اور فضل حق خیر آبادی 1797ء۔1861ء جیسی پاک طینت ہستیوں کی مساعی کا ثمر ہے۔ تخلیق پاکستان میں صوفیاء اور آزادیٔ ہند کے دوسرے سپوتوں کے ساتھ خصوصاً امام شاہ ولی اللہ کے عملی و علمی مساعی کو نمایاں دخل رہا ہے۔(1)

شاہ صاحب کی ہمہ جہت شخصیت کے ان پہلوؤں سے قطع نظر وہ عمران و اقتصادیات کے ماہر ہونے کا بھی ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں۔ شاہ صاحب کی سوانح حیات، خاندانی مآثر، خاندانِ ولی اللھی کے بزرگوں کا برّصغیر میں ورود، شاہ صاحب کی تربیت میں ان کے والد شاہ عبدالرحیم اور عرب اساتذہ کے شمول، آپ کی عربی دانی، ان کی تکمیلی، تصنیفی ملکات کے بارے میں معلومات فراہم کرنا مقصود نہیں، بلکہ اس تحقیقی جائزہ میں ان کے ایک خاص ''نظریۂ ارتقاء تہذیب وتمدن وعمران و اقتصادیات کا جامع عنوان ہے، سے متعلق ایک تجزیاتی مطالعہ اہل فکر کے سامنے پیش کرنا مطلوب ہے۔

یہ واضح ہے کہ شاہ صاحب کا یہی نظریہ ان کے سیاسی و معاشی نظریہ کے لئے بھی اساس فراہم کرتا ہے، اس

صدر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، بنوں۔

طور پر معاشرہ میں ارتقاء ونمو، حرکت وتہیج، علوم وفنون میں تداخل وانضمام، شرائع کے اسرار وحکم کے حوالہ سے بھی ان کی عمیق نظر کا بھی اندازہ ہو جائے گا اور معاش ومعاشرت وسماجیات میں ارتقاء سے متعلق دوسرے مفکرین کے نظریات کے تقابلی مطالعہ سے واقفیت کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ممتاز فکر تک رسائی ممکن ہو سکے گی۔

شاہ صاحب معاشرتی ارتقاء کی تکمیلی منزل بین الاقوامیت یا خلافتِ عامہ پر منتج مانتے ہیں۔ تاہم اس منزل تک پہنچنے کے لئے وہ معاشرے کو چار طبعی مراحل سے گزرنا ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحب ان چار طبعی مراحل کو مادی وعضویاتی رنگ میں پیش کرتے ہیں، جس طرح ایک فرد زندگی کے طبعی مراحل بچپن، لڑکپن، جوانی سے ہو کر ہی اپنے کمال اور پختگیٔ عمر کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب کے نزدیک اجتماع ومعاشرہ بدوی وصحرائی، قصباتی وشہری، دورِ قومی حکومت کے منازل طے کر کے ہی اپنے تکمیلی مرحلہ بین الاقوامیت تک پہنچ پاتا ہے۔

بحث کا آغاز امام الہند کی اصطلاح ''ارتفاقات'' کی حقیقت کے بیان سے کی جاتی ہے۔

ارتفاقات کی حقیقت

ارتفاقات ''ارتفاق'' کی جمع ہے یہ مادہ رِفق بکسر راء وبسکون الفاء سے ماخوذ ہے۔ لغت میں اس کے کئی معانی مثلاً نرمی، سہولت، رحم اعانت، نزاکت، نفع رسانی، نرم برتاؤ، مہربانی حسن سلوک کے آتے ہیں۔ یہ دراصل معتدل ومتوازن زندگی گزارنے کے اسباب اختیار کرنے سے عبارت ہے ایک انسان دوسرے انسان سے کیسے جائز طور پر باہم تعاون، اتحاد وہم آہنگی ویکجہتی کے دائرے میں رہ کر نفع حاصل کر سکتا ہے؟ یہ عمل ''ارتفاق'' کہلاتا ہے(2)

قرآنِ کریم کی آیت ﴿و یھیئ لکم من امرکم مرفقاً﴾ اور ﴿نعم الثواب وحسنت مرتفقاً﴾ میں اسی مادہ کا اطلاق کیا گیا ہے، لسان العرب میں مذکور ہے: ((ترافق القوم وارتفقوا صار و ارفقآء))

''یعنی لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رواں دواں ہوئے جس کی بناء پر ایک دوسرے کے رفیق کہلائے''(5)

موجودہ عرب معاشرے میں ''مرافق'' کا لفظ گھریلو وسماجی نظم وضبط، مفید اور کارآمد امور پر اطلاق ہوتا ہے گویا مرافق وسیع معنوں میں فرد ومعاشرہ سے متعلق بہتر انتظامات ہیں۔

ارتفاق کے لغوی معنی سے یہ بات عیاں ہے کہ جن امور سے انسانی معاشرہ خوش گوار اور ترقی یافتہ بن سکتا

ہے اور انسان آرام و عافیت کی زندگی گذار سکتا ہے انہیں ارتفاقات کہتے ہیں، یہ نفع بخش انتظامات اور بصیرت افروز منصوبہ بندی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی نظر میں ارتفاقات

خود امام الہند ''ارتفاق'' کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

((وکان من عناية الله به ان الهمه كيف يرتفق بآداءِ هٰذهِ الحاجات الهاماً طبيعاً من مقتضى صورته النوعية))

''اللہ تعالیٰ کی انسان پر یہ عنایت ہوئی کہ اس کو صورتِ نوعی کے تقاضوں کے مطابق طبعی الہام کے ذریعہ اپنی گوناگوں ضروریات کو آسانی سے پورا کرنے کے طریقوں سے نفع اندوز ہونا سکھایا''۔

لہذا یہ نفع بخش انتظامات اور آسائش زندگی حاصل کرنے، مشکلاتِ زندگی پر قابو پانے سے متعلق مفید تدبیریں اور اعلیٰ درجہ کی حکمتِ عملی ہے۔

ولی اللّٰہی فکر کے ترجمان عبید اللہ سندھی (1872ء-1944ء) کے مطابق ارتفاق، الانتفاع برفق یعنی آسانی سے اشیاء کائنات سے فائدہ اُٹھانا ہے۔ ان کے مطابق تمام مخلوقات انسانی منفعت کے لئے پیدا کی گئیں ہیں تاہم تمام اشیاء انسان کے ساتھ خشونت کے ساتھ پیش آتی ہیں۔ انسان ان چیزوں کو نہایت نرمی کے ساتھ تسخیر کر لیتا ہے (7) مثلاً وہ ایک طرف زمین کے سینے کو چیر کر کاشت کاری کرتا ہے۔ دوسری طرف اسے کھود کر مکنون ذخائر حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی دوسری مخلوقات میں انسانی تصرفات کا حال ہے لہذا مقاصد کی خاطر کائنات کی چیزوں کو استعمال میں لانا ارتفاق کا عمل کہلاتا ہے یہی مفکر ایک جگہ ارتفاق کے معنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

((تحصيل الاشياء الطبيعية با دنىٰ عنايةٍ واقل قوةٍ وبعد صرف اقصر مدةباستعمال الأ لات يسميے الامام ولى الله بالارتفاق))

''اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے اوزاروں کے ذریعہ تھوڑے وقت میں کم خرچ کرنے سے بہت سا فائدہ حاصل کرنے کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ارتفاق کا نام دیتے ہیں''۔

اس اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ کائنات میں وہ تمام اشیاء جو انسان کے لئے فائدہ بخش ہیں، وہ خود بخود اس کے تصرف میں نہیں آتیں، بلکہ انہیں مثل خام مال حسبِ ضرورت ڈھالا جاتا ہے۔ انسان کا کام آلات کی مدد سے تھوڑی قوت ومحنت اور مواد سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا ہے۔

لہٰذا ارتفاقات نفع بخش انتظامات ہیں، سائنسی ایجادات کے نتیجے میں انسان زندگی کے آسائش دریافت کرتا رہتا ہے جو ارتقاء تہذیب کا باعث ہے۔ ارتقاء تہذیب کا انتہائی سلسلہ کرۂ ارضی کی سطح پر انسانوں کی وحدت ہے۔

ارتفاقات کا الہام نوع انسان کو ایسا ہوتا ہے جیسا کہ شہد کی مکھیوں کو اپنی نوعی ضروریات کی بابت ہوا کرتا ہے، کہ وہ کن پھولوں کا رس چوسیں؟ کس طرح شہد بنائیں؟ کس طرح اپنا چھتہ تیار کریں؟ آپس میں کس طرح مل جُل کر ملکہ کی نگرانی میں رہیں؟ ارتفاقات کی اس عمومی داخلی نوعیت کے علم کے ساتھ عقلاء کے ہاں خارجی اکتسابی ارتفاقات کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ خارجی ارتفاقات وہ ہیں جو انسان سابقہ تجربات کو بنیاد بنا کر عقل کی روشنی میں زندگی سے متعلق آسائش تلاش کرتا ہے اور اطلاق کرتا ہے یہ استقرائی علم ہے (9)

شاہ صاحب انسانی تہذیبی ارتقاء کا بڑا باعث اس کے اندر تین نوعی خصوصیات رائے کلی (Public will) ظرافت وذوقِ جمال (Aesthetic Sense) اور ایجادِ وتقلید (اکتساب الاخلاق) جیسی خصوصیات کی موجودگی قرار دیتے ہیں (10) ان خوبیوں کا نتیجہ ہے کہ انسان اور حیوان نے گو زندگی کا آغاز ایک ہی ساتھ کیا تھا مگر انسان اپنی علمی عظمت کی وجہ سے تہذیبی ارتقاء میں اپنی آخری منزل کو پہنچ گیا، اس نے معاش ومعاشرت کے کئی مسائل کا حل ڈھونڈ نکالا، تاہم اب بھی کئی سربستہ رازوں سے پردہ کشائی کرنا باقی ہے۔ متعدد مسائل اب بھی ایسے ہیں، جن کا وقوع پذیر ہونا باقی ہے۔ انسان ایسے مسائل کے بارے میں آشفتہ سر ہے۔ چونکہ کائنات میں تہذیبی ارتقاء کا سفر جاری رہتا ہے۔ زندگی ہر لحہ تغیر کے دوش پر ہے۔ لہٰذا تہذیبی ارتقاء سے انکار حقائق سے انکار ہے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے، شاید
کہ دمادم آ رہی ہے دمادم صداء کن فیکون (11)

انسان اپنی نوعی خوبیوں کی وجہ سے تہذیبی ارتقاء میں آگے بڑھ رہا ہے جہاں تک حیوان کا ارتفاق میں

بڑھنے کا تعلق ہے، اس نے جہاں سے زندگی کا آغاز کیا تھا، اب بھی وہیں کا وہیں کھڑا ہے۔

معاشرتی ارتقاء یہ تصور شاہ صاحب کے ہاں بالکل مرحلہ وار سائنسی خطوط پر استوار ہے۔ یہ چاروں مراحل معاشرہ یکے بعد دیگرے طے کرتا ہے۔

شاہ صاحب ان ارتقائی مراحل کا ایک دوسرے کے جلو میں تکمیل پذیر ہونے کی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں، ان کے ہاں نہ صرف اس میکانکی و غایاتی عمل کے پیچھے بلکہ عظیم کائنات کھیل کے پس پردہ ایک باشعور اور فعّال وخبیر عقل الکل یا خدائی قوت کارفرما ہے۔ معاشرہ بطور متحرک وجود (The Organismic Theory of Society) مکتب فکر والوں کی طرح شاہ صاحب کا نظریہ قدیم فلاسفہ افلاطون اور جدید ماہر نفسیات ولیم میگڈوکل کے مشابہ معلوم ہوتا ہے (12)

ارتفاقات کی پوری تفصیل شاہ صاحب کی البدور البازغہ کے علاوہ ان کی فکر انگیز تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ملتی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ جو شاہ صاحب کی (Magnum Opus) ہے، کو انہوں نے اصلاً شریعت کے اسرار و حِکم، مقاصد و اغراض احادیث، سنت کی تشریعی نظام کی توضیح میں لکھی تھی، تاہم شاہ صاحب نے ضروری سمجھا کہ کرۂ معمورہ میں نظام تکوینی و حیاتِ انسانی کے مظاہر میں تطبیق و توجیہ، دُنیا کے تکوینی نظام اور انسانی زندگی سے متعلق سماجی و تمدنی حالات کا نہ صرف سرسری جائزہ ہی پیش ہو بلکہ تہذیب و ثقافتی تغیر کا آغاز ہی سے محققانہ جائزہ پیش نظر ہو۔ تاکہ معاش و معاد کے انیق و ادق مسئلے کا حل دائرہ عقل میں آ سکے، لہٰذا انہوں نے اپنی کتاب میں ارکانِ اسلام اور ان کے اسرار و حِکم پر بحث کرنے سے پہلے ارتفاقات کے ذیل میں تہذیبی ارتقائی مراحل کا ژرف نگاہی سے جائزہ پیش کیا، اس پر خود ان کی یہ تحریر گواہ ہے۔ اس حوالے سے شاہ صاحب کی نظر وہاں تک پہنچی ہے جہاں تک جدید ماہرین سماجیات کی نظر بھی نہیں پہنچ سکی۔ شاہ صاحب کی نظر میں ان چہارگانہ ارتفاقات کی تفصیل یہ ہے۔

ارتفاقِ اول یعنی تہذیبی ارتقاء کی پہلی منزل

تہذیبی ارتقاء کے اولین مرحلہ پر انسانی زندگی کی طبعی ضروریات کی فوری تسکین سادہ انداز پر مطلوب ہوتی ہے۔ ارتفاق کا یہ مرحلہ حیوانی ارتفاق سے مشابہ ہے۔ ارتفاق اول کا حصول ہر نفس انسانی اور سوسائٹی کے لئے ناگزیر ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

((هو الذی لا یمکن ان ینفک نه اهل الاجتماعات القاصرة کاهل البلد .
وسُکان شواهق الجبال والنواحی البعیده من الاقالیم الصالحه)) (13)

''یعنی اس ارتفاق کا حاصل کرنا ہر شخص ومعاشرہ خواہ وہ کسی صحرا میں فروکش ہو یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر خیمہ زن ہو، ضروری ہے، نوعِ انسانی کو چونکہ اضافی خصوصیات سے نوازا گیا ہے اس لئے انسان، معیارِ زندگی کو حیوانی و جبلی سطح سے بلند سطح پر لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ارتفاق کا یہ مرحلہ تجرباتی وعبوری نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس وقت ضروریات کی تسکین میں جمالیات کے مقابلے میں مقاصد وافادیت ملحوظ ہوتی ہیں۔ ضروریات ہی کی بنیاد پر باہمی تعلقات استوار ہوتے ہیں ۔ اجتماع وتہذیبی زندگی کے اس ابتدائی مرحلہ میں انسان اپنی فطری وجبلی ضروریات کو نوعی تقاضوں کے مطابق پورا کرتا رہتا ہے۔

شاہ صاحب تہذیب کے اس مرحلہ کی امتیازی خصوصیات وضروریات میں جن اُمور کو شامل مانتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے زبان دانی ہے، قوتِ گویائی ، انسانی تہذیب کا شِعار ہے، مناطقہ انسان کی تعریف ہی ''حیوانِ ناطق'' سے کرتے ہیں، اپنے جذبات، خیالات واحساسات کو تحریر وتقریر کے سانچوں میں ڈالنا انسان کی امتیازی خوبیوں میں ہے۔ شاہ صاحب ارتفاقِ اول کے اس اساسی عنصر کے بارے میں لکھتے ہیں:

((منه اللغة المعبرة عمّا فی ضمیر الانسان والاصل فی ذالکِ افعال وهیآت واجسام تلابس صوتاً مّا بالمجاورة او التسبب فیحکی ذالک الصوت کما هو، ثم یتصرف فیه باشتقاقِ الصیغ بازاء اختلاف المعانی ..... ثم اتسعت اللغات بالتجوز)) (14)

ارتفاق اول میں وہ زبان دانی ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے مافی الضمیر کو تعبیر (Interpret) کرتا ہے۔ زبان اصل میں وہ افعال، کیفیات اور اجسام ہیں، جو مجاورت، یا سببیت یا ان کے علاوہ کسی اور طرح سے کسی بھی آواز سے ملتے جلتے ہیں۔ پس وہ آواز بعینہٖ نقل کر لی جاتی ہے ۔ یوں مختلف معانی کے بالمقابل الفاظ وضع کرنے اور صیغہ بنانے سے زبان میں وسعت آئی، پھر علاقہ مشابہت کی وجہ سے مجازی معنی لینے سے زبانیں بے تحاشا وسعت اختیار کرنے لگیں۔ شاہ صاحب نے تہذیبی ارتقاء میں زبان کو کیوں اوّلیت دی؟ چونکہ نسل انسانی کی

ابتدائی تہذیبی علامت زبان ہی ہے۔ اس لئے اسے اوّلیت دینا لازمی ہے البتہ یہاں زبان کے تاریخی پس منظر کے بارے میں معلوم کرنا برمحل ہے۔

زبان کیا ہے؟

ابتداً جب لفظ ایجاد نہیں ہوئے تھے تو شاید انسان اعضائی اشاروں کی مدد سے اپنا مدعا واضح کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ جب لفظ ایجاد ہوئے تو آوازی اشاروں نے اس کی جگہ لے لی، ہر لفظ ایک اشارہ ہے۔ زبان دراصل آلات صوت کی مدد سے ہوا میں باضابطہ لہروں کے پیدا کرنے کا نام ہے۔ آلاتِ عضوی عام طور پر تمام انسانوں میں تقریباً یکساں تھے، البتہ آلاتِ صوت خارجی حالات کی تاثیر کے نتیجہ میں متاثر ہو جاتے ہیں۔ کبھی اس لئے زبانوں میں جزوی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اصوات خاص سانچوں میں ڈھل کر حروف اور حروف الفاظ و جملوں کی روپ دھار لیتے ہیں۔ انسانی نطق میں خارجی مہیج، ذہنی فعالیت اور منہ میں صوتی تشکیلی مراحل سے تو انکار نہیں مگر حروف بننے کی کیا توجیہ ہے؟ اس حوالہ سے شاہ صاحب کا لکھنا ہے:

> ''انسان کے تختۂ ذہن پر جو تصورات منقوش ہوتے ہیں، وہ یا تو باہر سے حاسۂ سامعہ کے ذریعہ دماغ میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر ان محفوظ اصوات کو بعینہٖ یا اس کے قریب قریب الفاظ کا لباس پہنا کر مخاطب تک پہنچا دیا جاتا ہے، یا وہ تصورات حاسۂ باصرہ کے ذریعہ اس کے دل اور دماغ کے تختوں پر منقوش ہوتے ہیں۔ پھر ان کو ایسے الفاظ کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے کہ ان الفاظ کا مخاطب کے سامعہ پر وہی اثر ہو، جو متکلم کے حاسۂ باصرہ پر کسی چیز کو یا کسی واقعہ کو دیکھ کر ہوا تھا جس کا اثر دماغ پر ہوا تھا۔ آوازوں کے ذریعے اظہار منظّم ہوا، انسانی طبیعت میں چونکہ تقطیع یعنی آوازوں کو کاٹ کاٹ کر اجزاء بنانے کی قوت ودیعت کی گئی ہے۔ اس طرح ہر منقطع آواز ایک حرف کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو اپنے اندر معنی کا حامل ہوتا ہے یوں معنی اور حروف میں ترکیب ہوتی ہے جس سے جملہ اور کلام بنتا ہے'' (15)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زبان سے ناآشنا قوم دوسری قوم کی زبان کیوں نہیں سمجھتی؟ اس لئے نہیں سمجھتی کہ وہ الفاظ کے معنی سے نابلد ہوتی ہے۔ جہاں تک اصوات کا تعلق ہے تو وہ کسی قوم کے لئے اجنبی نہیں ہوتی، ایک مستحکم

قیاس یہ بھی ہے کہ ابتداً صرف ایک زبان تھی۔ دورِ آدم کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت دُنیا محدود، زندگی غیر دلچسپ تھی، بقدر ضرورت ایک ہی زبان سے کام چلایا جاتا تھا، جس میں بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ماحول، جانوروں اور عام اشیاء کے الفاظ تھے اور جن میں مجرد تصورات کی مخصوص اصطلاحات کا بھی فقدان تھا، زبان آدم پر (Lingua Adamica) کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا تھا، جوں جوں نسل آدم پھیلتی گئی، ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوتا رہا، صوتی کیفیات میں تغیر آتی گئی، مجاز تشبیہات و استعارات نے جہاں زبان کو وسعت بخشی، وہاں زبانوں کے خاندانوں سے وابستہ افراد میں علاقائی سطح پر بولی (Dialect) نے بھی رواج پایا۔(16)

حاصل یہ کہ زبان کو تہذیبی ارتقاء میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ قرآن کریم نے انسانوں کے رنگ و نسل کے تنوّع کو جہاں نشانی قرار دیا، وہاں اس نے زبانوں میں مغائرت کو بھی اہم مظہر الٰہی کے طور پر پیش فرمایا(17) لہٰذا ارتفاقِ اول میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے زبان کو اوّلیت دی۔ بے شک زبان سماجی ضرورت اور عمرانی روایت کی مظہر ہے۔

زبان دانی کے بعد شاہ صاحب بنیادی ضروریات میں خوراک مکان، لباس اور جنسی ضروریات کے حصول کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ تہذیب کے اس مرحلہ میں انسانی کوششوں کا محور تین بنیادی لوازمات وضروریات خوراک، مکان اور لباس کا حصول ہوتا ہے۔ آب پاشی، آب نوشی کے لئے کنوئیں کھودنے کا مسئلہ ہو یا کھانے پینے کے لئے برتن خواہ دھات کے ہوں یا لکڑ کے بنے ہوں یا مویشیوں کو پالنے کا مسئلہ ہو، اس پر سواری، بار برداری، ہل جوتنے یا گوشت پوست یا دودھ کے استعمال کا مسئلہ ہو۔ ان سب امور میں بنیادی ضروریات خوراک کے جذبہ کو فروکرنا مقصود ہوتا ہے۔(18) شاہ صاحب منجملہ ارتفاقِ اول کے لوازمات میں گرمی، سردی اور بارش سے بچنے کے حملوں، چوروں، بدمعاشوں کی دست و برد سے محفوظ رہنے کے لئے مناسب مکان و مسکن، انسان کی بنیادی ضرورت میں سے قرار دیتے ہیں(19)

اس ارتفاق کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا۔ اولادِ آدم کو ارتفاق سے متعلق بنیادی لوازمات کے حصول کا الہام ہوا۔ انہیں کاشت کاری، فصل کاٹنے، فصل جمع کرنے، حیوانوں کی تسخیر، کھانوں کے پکانے کے طریقوں سے روشناس کرایا گیا، اگر آدم اور ان کی اولاد کو ان بنیادی لوازماتِ حیات سے متعلق نہ بتایا گیا ہوتا تو

زندگی میں تعطل پیش آتا۔ اللہ تعالیٰ کا انسان کی طرف ان معاشی لوازمات کا الہام بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن اس حقیقت کو اپنے اعجازی انداز و علم آدم الاسماء کلها سے تعبیر کرتا ہے۔ کیونکہ اسماء سے مراد مسمیات اور ان کے خواص ہی ہیں روح المعانی میں ہے: ((المراد بالاسماء صفات الاشیاء ونعوتها وخواصها))(20)

اس ارتفاق میں سماج نے باقاعدہ خاندانی زندگی کو فروغ دیا، نسل انسانی کے بقاء کے لئے جنسی تعلقات قائم کرنے اور اس میں نظم وضبط پیدا کرنے کی خاطر اصول وضع کئے گئے۔ اس طرح سماجی رشتے، سادہ رسموں، قدروں اور اصولوں کی بنیاد پر استوار ہوئے، ان تمام امور کی نگہداشت کے لئے ابتدائی سطح پر سردار یا رہنماء کی ضرورت کا بھی احساس ہوا۔ باہمی نزاعات کے لئے بھی ابتدائی درجہ میں مصالحتی اصول سامنے آئے۔

اسی ارتفاقِ اول میں ابتدائی تہذیبی اقدار مثلاً مستقبل کے واقعات کا علم حاصل کرنے کی ناکام کوشش، مواقعِ مسرت پر تقریبات کا انعقاد اور خوشی کا اظہار کرنا، موقع بہ موقع احباب کی ضیافت کرنا، بیمار پرسی کرنا، میت کی تجہیز وتکفین میں اپنی حیثیت سے حصہ لینا، جیسے متنوع امور شامل ہیں۔ ارتفاقِ اول کی ان بنیادی ضروریات کی تکمیل پذیر ہونے کے ساتھ تمدن ارتقاء کی دوسری بلند تر منزل ''ارتفاقِ ثانی'' میں قدم رکھتا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ واضح طور پر لکھتے ہیں کہ:

> ''ارتفاقِ ثانی کی منزل تک نفسِ انسانی کا پہنچنا تب ہی ممکن ہوسکتا ہے، جب وہ بنیادی لوازماتِ حیات بھوک، پیاس، مسکن، لباس، صنفی خواہش اور دوسری تمام حیوانی خواہشات کے غلبہ سے نجات حاصل نہ کرے۔ ارتفاقِ اول کے لوازمات میں شائستگی و نظافت اور اجتماع ومعاشرت میں حسن کا جذبہ اور اس میں نظم وضبط جیسے دواعی کے نتیجہ میں یہ ارتفاق، ارتفاقِ دوم کی اعلیٰ تر شکل میں عروج کر جاتا ہے''۔

تہذیبی ارتقاء کی دوسری منزل کیا ہے؟ اس حوالہ سے تفصیل یہ ہے:

ارتفاقِ دوم یعنی تہذیبی ارتقاء کی دوسری منزل

تہذیبی ارتقاء کے دوسرے مرحلے پر معاشرہ بدوی وقبائلی طرزِ زندگی سے دست بردار ہوکر قصباتی زندگی

کے مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ یہ تہذیبی سفر اس وقت تک مکمل نہیں ہو پاتا، جب تک ارتفاقِ اول کی بنیادی ضروریات کی تسکین کا سامان فراہم نہ ہو جائے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس فکر کو وسعت دے کر یہ منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے کہ وجود کو برقرار رکھنے کے لئے بنیادی ضروریات کی فراہمی پر خصوصی توجہ ہو۔ ایسی اشیاء کی فراہمی کو ترجیحی بنیادوں پر یقینی بنایا جائے۔ کیونکہ یہ وہ اساس قوامیت ہے جس پر ابتدائی اجتماعی ہیت، بنیادی علوم وحِکم خمسہ، ابتدائی درجہ میں ادب وفن، سائنس اور فلسفہ غرضیکہ ارتفاقِ ثانی کی پوری عمارت قائم ہے۔ ارتفاقِ ثانی، قدرے ترقی یافتہ تمدن ومعاشرت ہے۔ جس میں پانچ حکمتیں رُوبہ عمل ہو کر شہری معاشرت پر منتج کرتا ہے پھر یہ بلند تر ارتفاقِ ثالث جو ایک مستقل سیاسی نظام کا حامل ہو جاتا ہے، تکمیل پذیر ہوتا ہے جو بین الاقوامی یا خلافتِ عامہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جس میں عالمی سطح پر تمام فاصلے مٹ جاتے ہیں اور دُنیا ایک عالمگیر انسانی رشتہ میں منسلک ہو جاتی ہے۔(21)

وہ علوم وفنون جن پر ارتفاقِ ثانی کی پوری عمارت استوار ہے پانچ ہیں یہ ارتفاق ثانی کے حکم خمسہ کہلاتے ہیں۔

ارتفاقِ ثانی کے حِکم خمسہ

استقراء سے معلوم ہوا ہے کہ ارتفاقِ اول سے ارتفاقِ ثانی تک تمدن پروان چڑھانے میں جن پانچ علوم و فنون کو اساسی دخل ہے، وہ درج ذیل ہیں:

-1	حکمتِ معاشیہ	-2	حکمتِ اکتسابیہ
-3	حکمتِ منزلیہ	-4	حکمتِ تعاملیہ
-5	حکمتِ تعاونیہ	(22)	

① حکمت معاشیہ یا فنِ معاش

یہ حکمت اس وقت معرض وجود میں آتی ہے جب انسان اپنے کھانے، پینے، لباس و پوشاک، رہنے سہنے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بات چیت، سفر وحضر وغیرہ میں اچھی وضع کا پابند ہو جائے اور صحیح تجربوں کی کسوٹی پر انہیں پرکھ لے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ حکمتِ معاشیہ کو عمومی معنوں میں لیتے ہیں۔ لہٰذا اصطلاحی معیشت خصوصاً جب کہ

نیوکلاسیکل مکتبِ فکر والوں کے ہاں طرزِ زندگی اور معیارِ زندگی علمِ معیشت کے ایک جز کے طور پر زیرِ بحث لایا جاتا ہے، شاہ صاحب کی عمومی تعریفِ معیشت کا حصہ بننا واضح امر ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ معیشت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((الحکمة المعاشیة ان تستوفی حوائجک علی مراعاة مقتضی الاخلاق الفاضلة من الدیانة والسمت الصالح وغیرهما))(23)

''حکمت معاشیہ سے مراد یہ ہے کہ دیانت اور سمت صالح وضع داری جیسے اخلاق فاضلہ، تجربی علوم اور مصلحت عامہ کے تقاضوں کے مطابق اپنی ضروریات وحوائج کی تسکین کی جائے''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ شاہ صاحب ضروریات کو پورا کرنے کے اصول بتاتے ہیں۔ مندرجہ بالا تعریف کی تہہ تک جھانکنے سے یہ حقیقت اشکارا ہو جاتی ہے کہ شاہ صاحب معیشت کا مبنیٰ آمدن وخرچ میں توازن ہی پر رکھتے ہیں، کیونکہ حوائج کی تسکین تبھی ممکن ہے البتہ وہ معاشی مسئلہ کے حل کو استحصالی نظامہاءِ معاش کی طرح اباحیت مطلقہ اور آزاد معیشت کے اصولوں پر استوار نہیں کرتے۔ وہ اس حوالے سے رائے کلی کی قدر کی رعایت یعنی معاشی تگ و دو میں استحصال کے ممکنہ اسباب سے اجتناب کے جذبہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی تغافل کو روا نہیں رکھتے، بلکہ درج ذیل امور کی پابندی کے ساتھ وہ اس مسئلہ کا حل چاہتے ہیں:

- دین اور سنتِ راشدہ کی مسلّمہ اخلاقی قدروں سے مزاحم نہ ہو۔
- علم ودانش (سائنس) کے مسلّمہ اصولوں اور تجزیوں سے ہم آہنگ ہو۔
- مصلحتِ عامہ اور اجتماعی مفادات کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

دراصل شاہ صاحب سماجی وحدت کو معاشی استحصال کے بھینٹ نہیں چڑھاتے۔ اس لئے وہ فرد کی آزادی کو محدود کرتے ہیں اور ریاستی عمارت کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ شاہ صاحب معیار ومعاشرتِ زندگی کی دو متقابل قسمیں ترفہ وتنعم پسندی (Luxrious Life) اور مفلوک الحالی میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کر کے سماج کے لئے اعتدال کی راہ چلنے کی تاکید کرتے ہیں جو جمہور کے لئے ممکن العمل ہے یہی ان کے اس حکمت کی روح ہے۔

② حکمتِ اکتسابیہ یا صنعت وحرفت

یہ حکمت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب صنعت وحرفت کی مختلف اقسام مثلاً کھیتی باڑی، زراعت، ملازمت وغیرہ میں سے ہر ایک شخص وہ پیشہ اختیار کرے جس میں اس کی صلاحیت وقابلیت موجود ہوتی ہو اور عام طور پر اس کے حصول کے ذرائع واسباب بھی اس کو میسر ہوں۔ بے شک کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی جسمانی نقص کی بناء پر سہل پسندی اور راحت طلبی کی وجہ سے صنعت وحرفت کی پُر مشقت قسم کے پیشوں سے منحرف ہو کر اپنی جسمانی ساخت کی بناء پر یا اسباب کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے کمتر پیشے اختیار کر لیتے ہیں۔

پیشوں کے اختیار کرنے کے حوالہ سے شاہ صاحب یہ فکر انگیز بات لکھتے ہیں کہ:

> ''جوں جوں طبیعتوں میں تمدن اور راحت وآسائش کا خیال پیدا ہوتا گیا اور معاش کے نئے گوشوں کی احتیاج محسوس ہوتی گئی، ویسے ہی مختلف قسم کے پیشے، صنعتیں اور ہنر متعارف ہوتے گئے، پیشوں میں تخصیص کا رجحان پیدا ہوا، مبادلہ کی ضرورت پڑی، مبادلہ جنس کا جنس سے (Barter) رواج پڑا، حتیٰ کہ وہ عقلائے قوم کرنسی کے ایجاد پر متفق ہوئے اور اعلیٰ سطح پر معاملات کا نظام وجود میں آیا، تہذیبی ارتقاء میں یہ حقائق بنیادی عنصر کے طور پر روبہ عمل رہے، کرۂ معمورہ کو یہی چیز آپس میں قریب کرتی رہی اور بین الاقوامیت جو تہذیبی ارتقاء کی انتہائی منزل ہے کی طرف دُنیا قریب تر ہوتی گئی''۔

③ حکمتِ منزلیہ

اس حکمت وفن میں ازدواج، ولادت، تدبیر وانتظامِ منزل، ملکیت، قرابت داروں کے باہمی حقوق اور دوسرے عائلی مسائل سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ حکمتِ تدبیر منزل بھی کہلاتی ہے۔ شاہ صاحب عورت کو خانہ داری امور کی انجام دہی کے لئے موافق خیال کرتے ہیں۔ وہ ملکیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''بعض اشخاص بالطبع ماتحت ہوتے ہیں، بعض بالطبع سردار، قیادت پسند وہ اپنے کسب میں نہ صرف خود کفیل ہوتے ہیں بلکہ دوسرے بے سہارا لوگوں ۔ بوجھ کو برداشت کرنے

کے بھی اہل ہوتے ہیں لہذا مدارج معیشت میں اس قدر تفاوت پایا جانا معقول ہے۔ البتہ طبقاتِ انسانی اور غیر معمولی اونچ نیچ معاشی عدل کے خلاف ہے۔ اسلام انفاق فی سبیل اللہ کا درس دیتا ہے اور کنز مال پر قدغن لگاتا ہے تاکہ گردشِ اموال کا مطلب پورا ہو اور سماج میں ایک نوع کی ہم رنگی ہو"۔

④ حکمتِ تعاملیہ:

جس میں لین دین کے مسائل و آداب زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ خرید و فروخت، ہبہ، اجارہ، اعارہ، رہن اور قرض جیسے معاملات و مسائل پر غور کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب بیع یعنی لین دین کے جواز سے متعلق ایک اصول یہ لکھتے ہیں کہ:

"عقود میں مباح اور جائز صورتیں صرف وہ ہیں۔ جن میں مال کے بدلے مال (بیع) یا نفع کے بدلے میں مال یا باہمی رضامندی اور طیب خاطر سے خرچ و صرف (ہبہ و اعارہ) ہو ان صورتوں کے علاوہ کسبِ مال کے سب طریقے ناجائز اور باطل ہیں۔ ناجائز صورتوں میں قمار، سود، رشوت اور ایسا معاملہ جو مبہم اور جھگڑے پر منتج کرے شامل ہیں" (23)

⑤ حکمتِ تعاونیہ:

اس میں کفالت، مضاربت، شرکت، وکالت اور اُجرت یا اجارہ طلبی کے معاملات زیر بحث آتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس حکمت میں جس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ سماج کا دو طبقوں آقاؤں کا طبقہ جو سماج کے پیداواری وسائل پر قابض ہونے کی بناء پر سیاسی اقتدار بھی حاصل کر لیتا ہے اور غلام کا طبقہ جو پیداواری وسائل سے محروم ہونے کے باوجود اپنی محنت کے ذریعہ سماجی دولت میں اضافہ کرتا رہتا ہے کے معرضِ وجود میں آنے کا ذکر کرتے ہیں وہ ان دونوں طبقوں کے درمیان خیر سگالی کے تعلقات چاہتے ہیں اور تعاونِ باہمی کی اساس پر پیداواری عمل کو مکمل دیکھنا چاہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ انسانی تہذیب کے اس مرحلہ میں چونکہ ذرائع پیداوار محدود ہوتے ہیں ۔کسبِ معاش کے قدرتی ذرائع کو اساسی اہمیت حاصل ہے زمین خود چونکہ ایک (Passive factor) ہے، اسے ایک (active factor) کی ضرورت ہے۔لہذا کسان زمین کے سینے کو چیر کر پیداوار حاصل کرتا ہے۔اس لئے کسان کو اپنی محنت کا پورا معاوضہ ملنا چاہتے۔لہذا شاہ صاحب تنظیم اور محنت کے درمیان نہ صرف ٹکراؤ کی ، بلکہ تعاون باہمی کی فضاء میں پیداواری عمل تکمیل پذیر دیکھنا چاہتے ہیں۔وہ نہیں چاہتے کہ محنت کش طبقہ کو بالائے دست طبقے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے کہ ایک کی محنت اور خون پسینے پر دوسرے کے محل تعمیر ہوں۔البتہ وہ اس بات پر مصر نظر آتے ہیں کہ فریقین کے درمیان اخلاقی ضابطے کا تعین ہو۔پیداواری منافع عدل کی بنیاد پر تقسیم ہو۔اس طور پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ قومی مفادات اور رائے کلی کو عیاشانہ زندگی کے بھینٹ چڑھانے کی راہ مسدود کرتے ہیں اور اس کے بھیانک نتائج سے خبردار کرتے ہیں۔واضح ہو کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ زمین پر شخصی ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں۔تاہم ملکیت کا یہ حق مطلق نہیں۔اجتماعی مقاصد پیش نظر ہوں تو مناسب قانون سازی کی جاسکتی ہے (24)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اسی بنیاد پر سود اور قمار کے کاروبار کو ممنوع قرار دیا۔سودخوری اور قمار بازی کے نتیجہ میں انسان کے ذہنی، جسمانی قوئی معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔(35)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا اس حوالہ سے یہ کمال اپنی جگہ مسلّم ہے کہ وہ سود کی رو میں الٰہیاتی دلائل دینے کی بجائے اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے منفی نفسیاتی ، سماجی ، معاشی و اخلاقی اثرات کو پیش کرتے ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام کے ایک اور بنیادی اصولِ مسابقت اور بے جا اشتہار بازی کا رجحان ہے وہ اس پر قدغن لگاتے ہیں وہ تجارتی عمل میں باہمی رضامندی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔رضامندی کے فقدان کی صورت میں یہ عمل جبری اور غیر پسندیدہ ہو جاتا ہے جس کی انجام اجتماعی زندگی کے لئے نقصان کا موجب بنتا ہے۔

جب ان حکم خمسہ کی رعایات کے ساتھ اجتماع و معاشرہ منظّم ہو جاتا ہے تو تمدن میں شائستگی آتی گئی۔ذوق ونفاست کا جذبہ تمام لوازمات حیات میں ایک حصہ بنتا گیا۔انسانی نوعی خصوصیات ، رائے کلی ، ظرافت اور تقلید و ایجادات جیسے خوبیوں کا اظہار زندگی کے تمام افعال میں ہوتا گیا۔لہذا تمدن ودوسری منزل ارتفاقِ ثانی سے ترقی کر

کے ارتفاقِ ثالث میں عروج کر جاتا ہے۔ جس میں بنیادی طور پر مختلف سماج کے درمیان رشتے استوار ہو جاتے ہیں۔ مدنیت پسندی کے نتیجہ میں معاشرے میں معنوی وحدت دکھائی دیتی ہے حتیٰ کے پورا معاشرہ ایک انسانی جسم کی مانند ہو جاتا ہے۔ کبھی داخلی یا خارجی اسباب کی وجہ سے اگر تمدن کی صحت میں بیماری آتی ہے تو اس کے لئے مستقل علاج کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ دراصل معاشرتی وسماجی بیماریوں کا معالج سربراہِ مملکت اوران کے معاونین ہی ہوتے ہیں جو سربراہانِ قوم ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب ارتفاقات کے اس مرحلہ میں اسلام کے پورے سیاسی نظام کی تشکیل سے متعلق ایک واضح ڈھانچہ کے بارے میں نشان دہی کرتے ہیں۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ:

- اسلامی ریاست میں قومی نمائندوں کا اخلاقی معیار کیا ہو؟
- ملتِ اسلام کے اصحاب حل وعقد کی معاشی وسیاسی ذمہ داریاں کیا ہیں؟
- اسلامی حکومت کے بڑے بڑے اداروں کی کیا تفصیل ہے؟
- ایک مثالی اسلامی ریاست کے آمدن وخرچ کے کیا ذرائع ہیں؟

الغرض اس قومی حکومت کی تشکیل کے ساتھ ہی ارتفاقِ ثالث کی حدیں شروع ہو جاتی ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ ارتفاقِ ثانیہ میں حکمِ خمسہ کی اطلاق کی ضرورت کے احساس کے ساتھ تمدن کا تیسرے مرحلے ''ارتفاقِ ثالث'' میں قدم رکھنا اس وقت جائز قرار دیتے ہیں جب کہ ارتفاقِ دوم کے تمام تقاضے پورے ہو جائیں۔ ارتفاق ثالث منضبط قومی حکومت کی تشکیل کا مکمل ڈھانچہ ہے جو ایک اہم تہذیبی ارتقائی مرحلہ ہے۔ قومی حکومت تمام شہریوں کی ایک نمائندہ منظّم ہیت اجتماعیت ہوتی ہے۔ مختلف ادارے منظّم طریقے سے رعایا کی ترقی کے روبہ عمل ہوتے ہیں۔ ارتفاقِ ثالث کی مزید تفصیل آئندہ پیش کی جاتی ہے۔

تہذیبی ارتقاء کی تیسری منزل قومی حکومت

جیسے فرد کی شخصیت کا مدار اس کی مرکزیت وافادی حیثیت ہے۔ اس طرح اجتماع میں وحدت ونظم کی خصوصیت پائیدار ریاستی نظام کو جنم دیتی ہے۔ سماجی وحدت سے ریاستی حکومت کا قیام عمل میں آتا ہے۔ لہذا

باقاعدہ حکومت کا قیام اس بات کی علامت ہے کہ معاشرہ سماجی تہذیبی ارتقاء کے تیسرے مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ شہری وقومی حکومت رعایا کی نمائندہ افراد پر مشتمل ہوتی ہے اور مختلف شہروں کے درمیان خوشگوار تعلقات کا مظہر ہوتی ہے۔ ایسی ریاست میں قوم ایک جسم کی مانند ہوتی ہے۔ جس کے جملہ اعضاء ایک دوسرے سے براہِ راست متعلق ہوتے ہیں۔ اس کے کسی ایک حصہ کے متاثر ہونے سے پورا جسم متاثر ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ریاست کے مختلف لسانی، مذہبی، جغرافیائی اور ثقافتی، اقلیتی گروہوں کے درمیان ایک ابلاغ ہوتا ہے۔ قومی ریاست کی تشکیل میں ان تمام گروہوں کے باہمی میلاپ سے ایک منظم ریاست وجود میں آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

> ''جب لوگ آپس میں معاملات کریں گے اور ہر شخص کا پیشہ جدا ہوگا اور وہ ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے تو تبادلہ اور باہمی تعاون کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسانی جماعتوں مثلاً کاشتکاروں، تاجروں اور صنعتکاروں وغیرہ کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہوں۔ سیاستِ مدینہ اُنہی امور سے عبارت ہے۔ مدینہ سے مراد شہر بازار، قلعہ یا بلند عمارتیں مراد نہیں۔ اگر چند دیہات بھی قریب قریب ہوں۔ جن میں یہ جماعتیں رہتی ہوں اور باہمی تعلقات قائم ہوں تو وہ بھی مدینہ کہلائے گا''(26)۔

مختلف گروہوں کے درمیان یک جہتی پیدا کرنے اور امن و امان کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے تہذیبی ارتقاء کے اس تیسرے مرحلہ میں مضبوط حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس حکومت کا سربراہ مطلق العنان بادشاہ ہوتا ہے۔ جیسے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تصور کے مطابق پسندیدہ اخلاق کا حامل، شجاع، جری القلب متحمل مزاج، بردبار، عاقل، بالغ مرد آزاد، سلامت الحواس وسلامت الاعضاء قادر الکلام ہونا چاہیے۔ اس کی شرافت ونجابت لوگوں کے ہاں مسلم ہو۔ ان کے خاندانی مآثر کی اکثریت معترف ہو۔ وہ قومی فلاح و بہبود کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔(27)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک قومی ریاست کے نظام کو احسن طور پر قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ حکمران وسیع تر اختیارات کا حامل ہو۔ اسے عدلیہ کے مضبوط اور منصف ادارے کا تعاون بھی حاصل ہو (28)

تاہم حکمران کام کی وسعت کے پیش نظر آفیسر شاہی کے نظام سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔ لہذا وہ آفیسر شاہی کا مخصوص تصور پیش کرتے ہیں۔ اس تصور کے مطابق سرکاری آفیسروں کا انتخاب پیشہ ورانہ بنیاد پر ہو۔ ہر آفیسر کو اپنے شعبہ میں ماہر اور بادشاہ کا مخلص ہونا ضروری ہے۔ نظام حکومت کے متعدد شعبے ہوتے ہیں اور ہر ایک شعبہ کے انتظام کے لئے جداگانہ ایوان کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہ صاحب جن حکومتی کلیدی اداروں کا تذکرہ کرتے ہیں ان میں عدلیہ، انتظامیہ (حراسہ) دفاع، حسبہ، رفاہِ عام، شعبہ تبلیغ و تعلیم اور ملکی خزانہ کے ادارے شامل ہیں۔

ایوان و اداروں کے کم و پیش ہونے کا انحصار تمدن کو بہتر طور سے قائم رکھنے پر ہے بعض اوقات ایک ہی فرض انجام دینے کے لئے متعدد ایوان کا ہونا ضروری ہے۔ بہ خلاف اس کے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص مختلف کام سرانجام دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

شاہ صاحب ریاست کی اقتصادی ذمہ داریوں میں سے کفالتِ عامہ، معاشی استحکام کے اہتمام کے ساتھ تقسیم دولت کے تفاوت کو کم کرنا بیان کرتے ہیں ان سے متعلق عہدہ براء ہونے کے بارے میں تفصیل سے لکھتے ہیں۔ کفالتِ عامہ کا بڑا ذریعہ زکوٰۃ ہے۔ جو عبادت کے رنگ میں تدبیرِ کفالت کی بہترین شکل ہے۔ حکومت کو اسے وصول کرنے اور اپنے مصارف میں خرچ کرنے کے بارے میں امام الہند تفصیل پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح معذروں کی کفالت سے متعلق ابتدائی ادوار کے واقعات نقل کر کے معذور حضرات، اندھے، بہرے اور مختلف امراض میں مبتلا اشخاص کے لئے مناسب روزگار، دیکھ بھال علاج کے بارے میں حکومت کو پابند کرتے ہیں۔ وہ معاشی استحکام کے حوالہ سے زراعت اور صنعت کاری کی بہتری پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ وہ ریاست کی ذمہ داریوں میں سے بے کار زمینوں کی آبادکاری، تاجروں کی حوصلہ افزائی، فلاحی عمارتوں اور مواصلات کی تعمیر و ترقی، حکومت کا تسعیر یعنی نرخوں پر نظر، تعلیم، بے روزگاری کا خاتمہ، مختلف پیشوں کی منصوبہ بندی جیسے امور کی انجام دہی کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرنے کے خواہاں ہیں۔ شاہ صاحب تفاوتِ اموال اور طبقاتی نظام کو اعتدال پر لانے کے لئے مال کی تقسیم کے اسباب کو روبہ عمل لا کر معاشی ہمواری کو یقینی بنانے کے لئے ریاست کو پابند کرتے ہیں۔

شاہ صاحب اُمراء کو زیادہ اختیارات دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ امیروں کو زیادہ اختیارات کا نتیجہ حکومت

کے لئے خطرہ کا بھی باعث بن سکتا ہے۔ البتہ انہیں دیانت دار، فرض شناس، حکومت اور رعایا کے حق میں وفادار جیسے صفات کا حامل دیکھنا چاہتے ہیں اس کے باوجود حکومت کو مختلف صاحبِ اختیار اشخاص کے اعمال پر کڑی نظر رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔

حکمران کو عوام سے براہِ راست رابطہ رکھنا چاہیے۔ حکمران عوام کو اپنی جانب مائل کرنے کی خاطر ایسا طریقہ اختیار کرے جس کو وحشی جانوروں کو شکار کرنے اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے بارے میں ایک تجربہ کار صیاد اختیار کرتا ہے۔ حکمران عوام کی نفسیات اور ضرورتوں کا شعور حاصل کرے اور اپنے تئیں ان کا خیر خواہ ثابت کرے۔

اس کے ساتھ یہ بھی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسی تعمیرات کی طرف خاص توجہ دے۔ جن کا تعلق رفاہِ عام سے ہو۔ مثلاً ملک میں سڑکوں کا جال بچھانا، دریاؤں پر پلوں کا تعمیر کرنا یا اگر ایسا ممکن نہ ہو تو گھاٹ پر کشتیوں کی مناسب تعداد کا بروقت موجود رہنا۔ علاوہ ازیں حکومت کو چاہیے کہ وہ تاجروں کی حوصلہ افزائی کرے اور انہیں تجارت کے مواقع فراہم کرے۔ تاکہ وہ قومی معیشت میں مثبت کردار ادا کر سکیں۔ (29)

قوموں کے درمیان خیر سگالی اور دوستی کے تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے لئے ایک بین الریاستی نظام کے قیام کی ضرورت ہوتی ہے۔ تہذیبی ارتقاء کے اس تیسرے مرحلے میں معاملات کو احسن طور پر ادا کرنے کے قابل ہو جاتی ہے تو انسانی تہذیب کا قافلہ ایک منزل اور آگے بڑھ کر تہذیبی ارتقاء کے اعلیٰ ترین مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔

تہذیبی ارتقاء کی چوتھی منزل

تہذیبی ارتقاء کے اس چوتھے اور اعلیٰ ترین مرحلے میں ایک بین الریاستی ربط و نظم پیدا کرنے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ شاہ صاحب نے تیسرے اور چوتھے درجے کے سیاسی نظام کے درمیان کوئی حدیں مقرر نہیں فرمائیں۔ وہ معاشرے کو تیسرے درجہ پر اس منزل میں مانتے ہیں۔ جہاں کا سیاسی نظام افرادِ معاشرہ کے باہمی نزاعات کا فیصلہ تو کر سکتے ہیں لیکن مختلف سیاسی وحدتوں کے باہم رسہ کشی کو دُور کرنا اس کے بس سے باہر ہو۔ جب کسی سیاسی نظام میں یہ صلاحیت بھی پیدا ہو جائے تو معاشرہ تیسرے مرحلے سے ترقی کر کے چوتھی منزل میں قدم رکھ جاتا ہے

شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اقوام کے درمیان یہ وحدت اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ مختلف ریاستیں مل کر بھی اس نظام کا مقابلہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں جو اس بین الاقوامی نظام کے خلافتِ عامہ کا نظام توڑنے کی کوشش کرے گا تو اس کا محاسبہ کیا جائے گا اور ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا جائے گا'' (30)

جس دن دنیا میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم ہو جائے گا جس کے زیر سایہ دنیا کے کسی حصہ کی مختلف سیاسی وحدتیں آپس میں نہ ٹکرائیں تو ہم کہیں گے کہ اس دن انسانیت نے معاشرے کے چوتھے درجہ کی تکمیل کر لی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی نگارشات کسی قدر مبہم انداز میں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ ان کے خیال میں تہذیبی ارتقاء کا چوتھا مرحلہ بین الاقوامیت سے عبارت ہے۔ تاہم ان کے معاملے میں محتاط نقطۂ نظر کا تقاضا یہ ہے کہ بین الاقوامیت کے بارے میں ان کے تصور کو جدید عہد کے اس تصور سے منتسب نہ کیا جائے یہ زیادہ مناسب ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک بین الریاستی ادارے سے مراد اسلامی ریاستوں وصوبوں کا وفاق ہے۔ اس وفاق کے سربراہ کو انہوں نے خلیفہ کے مقتدر کے نام سے موسوم کیا جو مسلم انتظام میں حکومت کے حرم نما جاگیردارانہ انداز کا تعین کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے خلیفہ کو وفاق میں شامل مختلف ریاستوں کا حکمرانِ اعلیٰ قرار دیا۔ یہ مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کا تقرر بھی کرتا ہے اور یہ حکمران اپنی اپنی ریاستوں میں علاقائی امیروں کا بھی تقرر کرتے ہیں۔

خلیفہ کا اہم ترین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف قوموں کے درمیان خیر سگالی اور دوستی کے تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کر کے بین الصوبائی اور بین الریاستی اختلافات کو دور کرے اور داخلی و خارجی دشمنوں سے رعایا کی حفاظت کرے۔ ان فرائض کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ وہ وسیع اختیارات اور قوت کا حامل ہو۔ خلافت تمام روئے زمین پر مسلمانوں کی سیاسی قوت کا رمزی عنوان ہے جو مثالی خوبیوں سے پھیلتے پھیلتے پورے کرۂ ارضی پر محیط ہو جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حکمرانوں کو زیادہ اختیارات کیوں دیتے ہیں بلاشبہ انہوں نے یہ تصور اپنے عہد میں دہلی کے حکمرانوں کی بے چارگی اور اس سے پیدا ہونے والے سیاسی وتہذیبی اثرات کی بناء پر پیش کیا۔ یہاں یہ بات

قابل ذکر ہے کہ شاہ ولی اللہ نے خلیفہ سے جن صفات کو منسوب کرلیا ہے وہ کم وبیش وہی ہیں جنہیں سات سو سال قبل امام ماوردی نے بیان کیا تھا۔ تاہم یہ قوت واقتدار مقصود بالذات نہیں، یونانی حکماء کی طرح شاہ ولی اللہ اس تصور کے حامی ہیں کہ ریاست مقصود نہیں بلکہ ایک اعلیٰ تر مقصد کے حصول کا ذریعہ ہو وہ اخروی فلاح ہے۔

ارتفاق رابع، بین الاقوامیت کی انتہائی شکل ہے بقول مولانا عبید اللہ سندھی (1827ء-1944ء) شاہ ولی اللہ اس ارتفاق کے واحد پیش کنندہ ہیں۔ وحدت کائنات سے متعلق ان کا منفردانہ نظریہ ہے ان کی نظر میں چونکہ دین اسلام ساری انسانیت کا شیرازہ بن کر آیا تھا تمام نزاعات وانتشار ختم ہو کر ایک بین الاقوامی دین کا قیام قرآن کا مقصد ہے (31) چونکہ تمام کائنات ''الشخص الاکبر'' کا مخرج اللہ کی ذات ہے جو حقیقت القصویٰ ہے۔ شاہ صاحب مصر ہیں کہ حقیقت کبریٰ کی عظیم ترین وحدت ''الوحدت الکبریٰ'' ہے اور ''حاکمیتِ الٰہیہ فی الارض'' ہے۔ کیا اقوام؟ کیا لسانی اختلافات؟ کیا جغرافیائی تقسیم؟ اسلام اس فرق پر یقین نہیں رکھتا۔ (33)

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ فرد ایک مستقل اکائی ہے۔ جماعت ایک اکائی ہے جو افراد پر مشتمل ہے اسی طرح ایک قوم بھی اپنی جگہ مستقل وجود رکھتی ہے اور انسانیت سب قوموں کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوتی ہے۔ فرد کا صالح ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ وہ جماعت کا اچھا فرد ہو۔ اچھی جماعت وہ ہے جو قوم سے تضاد نہیں ایلاف رکھتی ہو اور اچھی قوم اسے کہیں گے جو کل انسانیت کے لئے جز صالح کا حکم رکھتی ہے۔ انفرادیت ان معنوں میں کہ ہر فرد، ہر جماعت، ہر قوم دوسرے سے برسرِ نزاع ہو اور کل مل کر ایک مجموعی انسانیت نہ بن سکیں۔ قرآن کریم اس وحدت کا شارع ہے قرآن کی تعلیمات یہی ہے کہ تمام کائنات کے انسان عقیدۃً عملاً اور علماً موحد بن جائے۔

حاصل بحث یہ کہ شاہ صاحب معاشرتی ارتقاء سے متعلق ممتاز فکر رکھتے ہیں ان کے ہاں ارتفاق کی آخری منزل بین الاقوامیت یا خلافتِ عامہ ہے جہاں تمام نزاعات ختم ہو کر کلمہ توحید کے جھنڈے تلے انسانیت مجتمع ہو جائے گی اور ہر قسم کے فتنے مٹ جائیں گے۔ آج دُنیا ارتفاق کی کس منزل میں ہے؟ یہ سوال بذاتِ خود معمہ ہے۔ بظاہر دُنیا ایک ہوگئی ہے۔ فاصلے مٹ گئے ہیں ایسے عالمگیر و جامع دین کی ضرورت کا احساس ہے جو تمام انسانیت پر محیط ہو۔ یہ دین اسلام ہے جو اطلاق کا متقاضی ہے۔

حواشی وتعلیقات

(1) نظامی خلیق احمد، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ادارہ اسلامیات لاہور، 1976ء (مقدمہ) مذکورہ مآخذ کی روشنی خصوصاً اور شاہ صاحب کی خدمات پر مبنی دوسری تجزیاتی کتب میں اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ شاہ صاحب کی عملی و علمی تحریک کو تخلیق پاکستان میں نمایاں دخل ہے۔ دنیا میں یہ واحد ملک ہے جو نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہے اور اس کی نظریاتی آبیاری میں مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کا کلیدی کردار ہے۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی بالغ نظری اور دُور اندیشی سے ہندوستان کی صورت حال کے دانش مندانہ تجزیہ اور صاحب اقتدار کی بے کرداری اور روز افزوں زوال سے دو ایسی حقیقتیں پائی تھیں جن کا تدارک کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا

(i) ملک سے بدنظمی اور طوائف الملوکی ختم کر کے امن بحال کرنا اس کے لئے مختلف تہذیبوں کی بقاء کے ساتھ یہاں انتہاء پسند تین گروہ یعنی سکھ، جاٹ اور مرہٹوں کا قلع قمع کرنا۔

(ii) ہندوستان کے حالات سے واقف کار عسکری قائد اور منتظم سپاہ کی ضرورت کا احساس جو نئی جنگی طاقت سے معمور تو ہو لیکن مخمور نہ ہو، ان دونوں حقیقتوں کے خواب کی تعبیر کے لئے شاہ صاحب کی نظر میں ایک شخصیت تو نجیب الدولہ کی تھی لیکن حالات کی سنگینی کے پیش نظر وہ تنہا کافی نہ تھے اور ان کے ذریعے ان طاقتوں کا زور نہیں توڑا جا سکتا تھا۔ شر پسندوں نے اپنی فوجی طاقتوں کو اس قدر بڑھایا کہ ملک کی کوئی واحد فوجی قیادت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی طاقت کی ضرورت جو اس ملک کے لئے مطلقاً اجنبی اور نو وارد بھی نہ ہو۔ شاہ صاحب کی نظر انتخاب احمد شاہ ابدالی پر پڑی جنہوں نے منتشر افغانوں کو متحد کر کے سیادت کا سکہ جمایا تھا۔ ابدالی پہلے چھ دفعہ ہندوستان آئے اور گئے تھے۔ شاہ صاحب نے یہاں کے اصلاح واحوال کے آخری حل کے طور پر ابدالی کو نجیب الدولہ سے بھی خط لکھوائے۔ خود بھی پر زور مراسلہ بھیجا اور ہندوستان پر حملے کی دعوت دی۔ لہذا پانی پت کی آخری لڑائی میں شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت کا بھی دخل ہے۔ (مطالعہ ہوں خط بجانب الدولہ، احمد شاہ ابدالی، خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، 1976ء ص 10 تا 17 مقدمہ) مسلمان بادشاہوں کے بے کسی کو دیکھ کر ہندوستان کو ''دار الحرب'' قرار دینے کا فتویٰ بھی شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے کا کارنامہ تھا۔ علمی لحاظ سے شاہ صاحب کا بڑا کارنامہ علوم القرآن والسنۃ کا احیاء ہے۔ شاہ صاحب کی ہمہ جہتی کا ایک پہلوان کا قاموسی انسان ہونا ہے۔ آپ کی جملہ تصانیف اس امر پر شاہد عدل ہیں۔ دراصل

آپ نے اصلاح احوال اُمت کی بھاری ذمہ داری اپنے کندھوں لے کر دو قسم کے کثیر المیعاد اور قلیل المیعاد منصوبے تشکیل دیئے۔ ان دونوں منصوبوں میں آپ ایک لحاظ سے کامیاب بھی ہوئے۔ اگرچہ فوری نتائج ان کے سامنے نہیں آئے تاہم کچھ مدت کے بعد اس ملت نے اگر کامیابی پائی تو بھی اس کا سہرا ان کے اور ان کے خانوادے کے سر رہے گا۔

(2) ابن منظور ''لسان العرب''، محشی محمد ہاشم الشاذلی و آخرون، ناشر دار المعارف، القاہرہ، 1119ھ، ج:3، ص:1696

(3) سورۃ الکہف 18:16

(4) سورۃ الکہف 18:31

(5) ابن منظور ''لسان العرب''، محشی محمد ہاشم الشاذلی و آخرون، ناشر دار المعارف، القاہرہ، 1119ھ، ج:3، ص:1696

(6) دہلوی 'حجۃ اللہ البالغۃ'' ج:1، ص:38 (المبحث الارتفاقات)

(7) سندھی عبید اللہ، الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن، مقدمہ تفسیر الفاتحہ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، 1989ء، ص:10

(8) ایضاً

(9) منطق علم صحیح کا نام ہے۔ مناطقہ اخذِ علم کے لئے استخراجی و استقرائی دلائل کو بروئے کار لاتے ہیں۔ چونکہ منطقِ استخراجی صوری صحت کی ضمانت دیتی ہے۔ مگر اس کا واقعاتی صحت کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے صرف استقرائی علم کا حوالہ دیا گیا ہے یہ امر کہ استخراجی منطق (Deductive Logic) میں محض صوری صحت کی ضمانت دی جاتی ہے جب کہ استقرائی علم میں واقعتاً مقدمات کبریٰ وصغریٰ کا حسبِ واقع ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ بدیہات منطق میں سے ہے۔ لہذا اگر علم استخراجی میں اگر کوئی کہے تم آدمی پھول ہے اور تمام میز آدمی ہے تو لازماً ماننا پڑے گا کہ تمام میز پھول ہے جو واقعتاً غلط ہے۔ لہذا استخراجی علم کے مقدمات کی صداقت کے لئے استقرائی منطق کی احتیاج پیش آتی ہے لہذا علم کے لئے محض استقرائی طریقہ ہی معتمد علیہ و سائنسی ہے۔

(10) دہلوی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ''البدور البازغۃ''، مترجم ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، ادارہ مطبوعات، غزنی سٹریٹ لاہور 2000ء ص:102۔ انسان تین اعتبار سے دوسری مخلوقات سے ممتاز ہے یعنی رائی کلی، ظرافت، ایجاد و تقلید کے حوالے سے قدرِ تفصیل یہ ہے:

(i) رائی کلی: انسان کی ضروریات محض بنیادی لوازماتِ حیات تک محدود نہیں بلکہ وہ ان کے سوا اور ان سے بالاتر اشیاء کی ضرورت اپنے اندر محسوس کرتا ہے، تنہا طبعی ضروریات ہی اس کو کسی عمل کے لئے آمادہ نہیں کرتیں، بلکہ

اس میں عقلی ضروریات بھی موجود ہے۔ جو اسے ایسے نفع کے طلب کرنے اور نقصان سے حذر کرنے کے لئے تیار کرتی ہے جن کا عقل تقاضا کرتی ہے نہ کہ حیوانی طبیعت، انسان کی کوشش رہتی ہے کہ اس سے ایسے اعمال کا صدور ہو جو نہ صرف اس کے لئے سودمند ہو بلکہ دیگر افراد کے لئے بھی یکساں نفع بخش ہو۔ لہذا رائے کلی کا مطلب متنوع ضروریات پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ جسے مقصد بھی حاصل ہو اور دوسرے ابنائے جنس کو بھی اس کے عمل سے تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ المختصر رائے کلی اپنی ضروریات پر قابو کے ساتھ دوسروں کو ہر قسم کی تنگی سے بچانا ہے

(ii) ظرافت یا شوقِ حسن و جمال: اس کا مطلب یہ ہے کہ فطرت انسانی حیوان کی طرح صرف اپنی ضروریات پوری کرنے پر ہی قانع نہیں رہتی، بلکہ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں منہمک رہتی ہے۔ انسان ہر چیز میں لطافت، تازگی، حسن اور خوبی کا متلاشی رہتا ہے تا کہ اپنے جمالیاتی حس کو حسب مقدور آسودہ کر سکے۔ مثلاً حیوانی ساجت محض غذا کا حاصل کرنا ہے لیکن انسان لذت اور لطافت کا طلب گار رہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اچھے سے دل لبھانے والا لباس زیب تن کرے، خوش نما گھر میں سکونت اختیار کرے اور حسین نازک اندام بیوی اس کی شریکِ حیات ہو۔

(iii) ایجاد و تقلید: نوع انسانی کے اس اختصاص کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسانی ضروریات کی نوعیت حیوانی ضروریات سے مختلف ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کو ہونے والے الہام کی کیفیت بھی حیوانی کیفیت سے مختلف ہے بسا اوقات بہت سی حاجتوں کا کچھ لوگوں کو خیال ہی نہیں آتا یا آتا بھی ہے تو انہیں پورا کرنے کا بہتر طریقہ سجھائی نہیں دیتا ایسے موقع پر دوسرے ان کی دستگیری کرتے ہیں۔ یوں معاشرہ میں دُنیاوی مصالح کے حصول کے لئے وہ قائد کا انتخاب کرتے ہیں پیش رو کو تلاش کرنا انسان کا فطری تقاضا ہے۔ معاشرہ کی نشوونما میں تقلید کا عمل دخل ہے۔ اگر یہ جذبہ فطرتِ انسانی میں داخل نہ ہوتا تو معاشرہ کو کمال تک پہنچانے میں عرصہ دراز درکار ہوتا۔ انسان باعتبار فہم و دانش مختلف ہے۔ چنانچہ وہ تقلید کے لئے آمادہ رہتا ہے بنا بریں حسن و لطافت کی جستجو، مفید تدابیر کی ایجاد وغیرہ اور باعتبار فرصت وغور وفکر انسان ایک دوسرے بڑی حد تک مختلف ہے۔ اس لئے معاشرہ کے معدودے افراد متنوع قرار پانے ہیں جب کہ اکثریت تابع رہتی ہے۔ یہ بھی انسان کا نوعی خاصہ ہے۔

(11) علامہ محمد اقبال ''بالِ جبرئیل'' (کلیاتِ اقبال) مکتبہ جمال اُردو بازار، لاہور، طبع 2005ء، ص:577

(12) Macdougall, Republic Book-II, Cambridge University 19920, PP, 150-60

(13) دہلوی حجۃ اللہ البالغہ، فاران اکیڈمی، اردو بازار لاہور، 1970ء ج:1، ص:39 (المبحث الارتفاقات)

(14) ایضاً

(15) دہلوی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ''البدور البازغۃ''، مترجم ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، ادارہ مطبوعات، غزنی سٹریٹ لاہور، 2000ء، ص:102

(16) F.C Stork & J.D Widdow sons "Learning about Linguistics" the Anchor Press Ltd.
Fitzroy Square London, 1977, P:47.

(17) سورۃ الروم 22:30، قرآنی آیت ہے: ﴿وَمِن آيٰتِهٖ خَلقُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاختِلَافُ اَلسِنَتِكُم وَاَلوَانِكُم﴾

(18) دہلوی ''حجۃ اللہ البالغہ'' ج:1، ص:40 (المبحث الارتفاقات) ومنه الزرع ومنه الغرس وحفر الابار و كيفته الطبخ

(19) سورۃ البقرہ 2:31

(20) آلوسی السید محمود آفندی البغدادی م1218ھ ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم''، طبع جدید، تحقیق وتعلیق عمر عبدالسلام، مکتبہ الحقانیہ پشاور، ج:1، ص:303

(21) دہلوی ''حجۃ اللہ البالغہ'' ج:1، ص:39 (المبحث الارتفاقات)

(22) دہلوی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ''البدور البازغۃ''، مترجم ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، ادارہ مطبوعات، غزنی سٹریٹ لاہور 2000ء، ص:102 شاہ صاحب کی تعلیمات میں وہ حکمت کا لفظ اکثر جگہ پر استعمال کرتے رہتے ہیں۔ حکمِ خمسہ میں بھی شاہ صاحب نے اسی اصطلاح کا اطلاق کیا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے فلسفہ میں حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس حوالے سے وضاحت یہ ہے۔

الف) قدیم فلسفہ یونان میں حکمتِ فلسفہ کا مترادف ہے۔

ب) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حکمت کی تفسیر حلال وحرام کے (تعلّم) سیکھنے سے کی ہے۔

ج) حکمت علم مع العمل ہے یا یہ مخلوق کے احوال کے جاننے کا نام ہے۔ ایک تعریف کے مطابق حکمت خاص قسم کی فراست ہے۔

د) جرجانیات میں حکمت کی تعریف'' علم یبحث فیه عن حقائق الاشیاء علی ماهی علیه فی الوجود'' سے کی گئی ہے۔

ھ) اکثر فلاسفہ ابن سینا وغیرہ نے حکمت کو فکر ونظر کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس کی مدد سے انسان کائنات میں ایک طرف موجودات کے حقائق سے واقفیت حاصل کرتا ہے تو دوسری طرف اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کن اعمالِ صالحہ اور وظائف محمودہ کا کسب کیا جائے تا کہ اس سے اس کی ذات مزین ہو کر درجہ کمال پر فائز ہو جائے۔ فلسفہ کا آخری نتیجہ یہی ہونا چاہیے۔ الغرض فلسفہ کائنات، ان کے اوصاف و خصوصیات اور آثار ونتائج کی حقیقتوں کے بعد، علل ومعلول کے باہمی ارتباط اور اس میں اس نظام کے اقتضاء کے مطابق کارروائی کے رموز سے واقفیت وشناسی کا نام حکمت ہے۔ ولی اللہ بھی حکمت کو انہی معنوں میں اطلاق کرتے ہیں۔

(23) دہلوی ''البدور البازغہ'' مطبوعہ مجلس عملی ڈابھیل سورت، 1354ھ (فصل فی بیان حقائق الارتفاقات الرابع، ص:55، بالا جمال، ص:55۔

(24) مضمون نگار نے اس حوالے سے اپنے تحقیقی مقالہ (پی ایچ ڈی) بعنوان ''شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے فقہی، معاشی اور تصوفانہ افکار کا تحقیقی جائزہ'' میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تناظر میں مزارعت کی حیثیت سے متعلق بھرپور بحث کی ہے۔ شاہ صاحب اس حوالے سے بار بار لکھتے ہیں کہ مزارعت تعاون باہمی کی بہترین شکل ہے۔ عام حالات میں یہ جائز معاملہ ہے تاہم فریقین میں یہ معاملہ اگر کسی کے استحصال پر منتج ہو جائے اور محنت کار کو ان کی محنت کا معاوضہ نہ ملے تو سودی معاملہ کی طرح یہ معاملہ حرام قرار پائے گا کیونکہ اس میں انصاف کا فقدان ہے اور کسان کی رضا بھی اضطراری ہے۔ مولانا محمد طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب ''مروجہ نظام زمینداری اور اسلام'' میں اس حوالے سے مسئلہ کی خوب تنقیح کی ہے۔

(25) دہلوی ''حجۃ اللہ البالغہ'' ج:1، ص:43

(26) ایضاً

(27) دہلوی ''حجۃ اللہ البالغہ'' ج:1، ص:45، وان یکون عاقلاً، بالغاً، حراً، ذکراً، ذاریِ وسمع وبصر و نطق ممن سلم الناس شرفه وشرف قومه و رائو ا منه ومن آبائه المآثره الحمیده وعرفون انه لا یألوا جهداً فی اصلاح المدینة هذا کله یدل علیه العقل واجتمعت علیه الامم.

(28) ایضاً

(29) دہلوی ''البدور البازغہ'' ص:71

(30) دہلوی '' حجۃ اللہ البالغۃ'' ج:1 ،ص:48 ، ومن تلک الاشیاء سد الثغور واقامة الحصون والاسوار والاسواق و بناء القناطر وکری الانهار وتزویج الیتمی وقسمة التر کات فی الورثة

(31) عبیداللہ سندھی '' حکمت ولی اللّٰہی کا اجمالی تعارف (تلخیص) مکی دارالکتب بازار لاہور، ص:20

(32) ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ، شاہ ولی اللہ کا فلسفہ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، حصہ دوم، ص:57